فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۱۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: اگر عورت نے غسل کیا اور سر کے کچھ بال خشک رہ گئے، تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر بال کھلے ہیں، تو بالوں کو تر کرنا ضروری ہے، بالوں کی جڑوں تک بھی پانی پہنچنا چاہیے، البتہ اگر مینڈھیاں بنی ہوئی ہیں، تو تین چلو پانی ڈال کر انگلیوں کے پوروں سے خلال کر لے، بالوں کو کھولنے کی ضرورت نہیں۔

سوال: ماں کا حالت جنابت میں بچے کو دودھ پلانا کیسا ہے؟

جواب: کوئی حرج نہیں۔

سوال: جنبی کا ترجمہ قرآن کو ہاتھ لگانا کیسا ہے؟

جواب: قرآن کا ترجمہ قرآن نہیں، اس کے وہ احکام نہیں، جو قرآن کریم والے ہوتے ہیں، لہٰذا جنبی قرآن کے ترجمہ کو چھو سکتا ہے۔

سوال: حالت جنابت میں بال اور ناخن کاٹنا کیسا ہے؟

جواب: بلا کراہت جائز ہے۔

سوال: کیا جنبی درود شریف پڑھ سکتا ہے؟

جواب: جنبی تلاوت قرآن کے علاوہ تمام اذکار کر سکتا ہے۔

سوال: اگر بچہ پانی میں ہاتھ ڈال دے، تو پانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: بچے کے ہاتھ پر نجاست نہیں لگی، تو پانی طاہر ہے۔

سوال: ماءِ مشمس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: ماءِ مشمس (دھوپ میں گرم ہونے والا پانی) کا استعمال جائز ہے، کراہت پر کوئی دلیل نہیں۔ اس بارے میں حدیث باطل ہے۔

❀ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي الْمَاءِ الْمُشَمَّسِ شَيْءٌ يَصِحُّ مُسْنَدٌ.

''ماءِ مشمس کے بارے میں کوئی مرفوع روایت ثابت نہیں۔''

(الضّعفاء الكبير : 176/2)

❀ اس بارے میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول بھی مروی ہے۔

(سنن الدّارقطني :39/1)

اس کی سند ضعیف ہے۔

① حسان بن زاہر (ازہر) مجہول الحال ہے، اسے صرف ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات:۶/۲۲۳'' میں ذکر کیا ہے۔

② حسان بن زاہر کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❀ اس قول کی دوسری سند بھی ہے۔

(السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 12)

سند ضعیف ہے۔

① ابراہیم بن محمد اسلمی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

② صدقہ بن عبداللہ ''سمین''، ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔

③ ابوالزبیر مکی کا عنعنہ ہے۔

سوال: آگ پر گرم کیے گئے پانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: آگ پر گرم کیا گیا پانی پاک ہے، مکروہ نہیں، کیونکہ یہ ماء مطلق ہے، ماء مطلق اپنی اصل کی بنا پر پاک ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گرم پانی سے وضو فرما لیتے تھے۔

(مصنّف ابن أبي شيبة : 256، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (۲۲۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا قَوْلُ أَهْلِ الْحِجَازِ وَالْعِرَاقِ جَمِيعًا، وَعَلَيْهِ النَّاسُ لَا أَعْلَمُهُمْ يَخْتَلِفُونَ فِي الْمُسَخَّنِ أَنَّهٗ لَا فَرْقَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْبَارِدِ .

''تمام اہل حجاز اور اہل عراق کا یہی مذہب ہے، دیگر اہل علم کا بھی یہی موقف ہے، میرے علم کے مطابق اہل علم آگ پر گرم کیے گئے پانی کے استعمال میں اختلاف نہیں کرتے، نیز ان کے نزدیک آگ پر گرم کیے گئے پانی اور ٹھنڈے پانی میں کوئی فرق نہیں۔''

(الطُّهور، تحت الرقم : 257)

❁ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْمَاءُ الْمُسَخَّنُ غَيْرُ مَكْرُوهٍ بِالْاِتِّفَاقِ .

''آگ پر گرم کیا گیا پانی بالاتفاق مکروہ نہیں۔''

(مرقاة المَفاتيح : 459/2)

سوال: اسلامی سال کا پہلا مہینہ کون سا ہے؟

جواب: اسلامی سال کا پہلا مہینہ بالاتفاق ''محرم'' ہے۔ اسلامی سال کی ابتدا ہجرت

نبویہ سے ہوئی، ہجری سال کا تقرر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام، جن میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، کی مشاورت سے کیا۔

سوال: ایک شخص کے دونوں ہاتھ زخمی ہے، پانی کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، کیا تیمّم کر سکتا ہے؟

جواب: جی ہاں۔

سوال: بیوی نے شوہر سے خلع کا مطالبہ کیا، مگر شوہر نے طلاق نہ دی، تو کیا عدالت عورت کے حق میں خلع کی ڈگری جاری کر سکتی ہے؟

جواب: بیوی شوہر سے خلع کا مطالبہ کرے، تو شوہر کو چاہیے کہ اسے طلاق دے کر علیحدہ کر دے، اگر صلح کی کوئی صورت نہ ہو، شوہر بھی عقد سے خارج نہ کرے، تو عدالت کو اختیار ہے کہ وہ فریقین کے باہمی حالات و معاملات کا جائزہ لے کر دونوں میں جدائی واقع کرا دے۔

۱۔ اسلام کا عمومی قاعدہ ہے کہ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ (نہ کسی کو نقصان پہنچانے میں ابتدا کی جائے اور نہ ردعمل میں نقصان پہنچایا جائے)۔ یقیناً ایک خاتون جو بوجوہ اپنے شوہر سے شدید نفرت کرتی ہے، اس کے ساتھ قطعاً نباہ نہیں چاہتی اور شوہر طلاق بھی نہیں دیتا، تو کیا عورت کو زندگی بھر اس کے ظلم کا شکار رکھا جائے؟ بالکل بھی نہیں۔

۲۔ عورت جب اپنا معاملہ عدالت میں لے گئی، تا کہ اسے خلع دلوایا جائے، تو عدالت اس کے شوہر کو طلب کر کے خلع دینے کا حکم دیتی ہے، مگر وہ نہیں دیتا، تو اس صورت میں تنازع کے حل کے لیے عدالت ان کے درمیان جدائی واقع کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا

مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾(النّساء : ٣٥)

''اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان سخت اختلاف کا خوف ہو، تو شوہر اور بیوی کے گھر والوں میں سے ایک ایک حکم (فیصلہ کرنے والا) بھیجو، اگر وہ (دونوں حکم) معاملہ کی اصلاح چاہیں، تو اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور خبردار ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصلاح کرنے کی نسبت اور اختیار حکمین (فیصلہ کرنے والوں) کو سونپا ہے۔ ثابت ہوا کہ خلع میں جج اور قاضی کو اختیار حاصل ہے۔

❁ سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبَی کو مارا اور ان کا ہاتھ توڑ دیا۔ ان کا بھائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف ایک آدمی بھیجا اور اسے فرمایا:

خُذِ الَّذِي لَهَا عَلَيْكَ، وَخَلِّ سَبِيلَهَا .

''حق مہر لے لیں اور اس کا راستہ جدا کر دیں۔''

(سنن النسائي : 3497، وسندهٗ صحيحٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت رضی اللہ عنہ سے ان کی رضامندی نہیں پوچھی، بلکہ حق مہر واپس لے کر جدائی کا حکم فرمایا۔ اسی طرح جج بھی شوہر کو جدائی کا حکم دے سکتا ہے، اگر وہ طلاق نہ دے، تو دونوں میں جدائی کا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بُعِثْتُ أَنَا وَمُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ حَكَمَيْنِ ...... فَقِيلَ لَهُمَا :

إِنْ رَأَيْتُمَا أَنْ تَجْمَعَا جَمَعْتُمَا، وَإِنْ رَأَيْتُمَا أَنْ تُفَرِّقَا فَرَّقْتُمَا .

''(ایک خلع کے مسئلہ میں) مجھے اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو حکم (فیصلہ کرنے والا) بنا کر بھیجا گیا۔......میاں بیوی سے کہا گیا: اگر آپ دونوں صلح صفائی سے اکٹھا رہنا چاہتے ہیں، تو آپ دونوں اکٹھا ہو جائیں اور اگر آپ جدا ہونا چاہتے ہیں، تو جدا جدا ہو جائیں۔''

(مصنّف عبد الرّزاق : 580، وسندہٗ صحیحٌ)

اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ حاکم کو خلع وتفریق میں اختیار حاصل ہے۔

❀ سعودی عرب فتویٰ کمیٹی کا فتویٰ ہے:

إِذَا حَصَلَ نِزَاعٌ بَينَهُمَا فَإِنَّ مَرَدَّ ذٰلِكَ إِلَى الْحَاكِمِ الشَّرْعِيِّ لِيَفْصِلَ بَيْنَهُمَا .

''اگر میاں بیوی کے درمیان نزاع واختلاف پیدا ہو جائے، تو اس تنازع کو شرعی حاکم کی طرف لوٹایا جائے گا، تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔''

(فتاوی اللجنة الدائمة، رقم الفتوىٰ : 8990)

سوال: شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت برحق ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہم کے بیان کے مطابق آپ کو اہل کوفہ نے شہید کیا۔ اس وقت کوفہ میں دشمنان صحابہ کے دو بڑے گروہ خوارج اور روافض موجود تھے، جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی جنگ کی اور ان کو شہید کیا۔

بعض لوگ یہ باور کراتے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے قتل کیا،

یہ بے ثبوت اور بے حقیقت بات ہے۔ یہ دراصل قاتلین حسین رضی اللہ عنہ نے سازش کی کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا خون یزید کے ہاتھوں میں تلاش کیا جائے۔ اس سے ان کو بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ اہل بیت کی دشمنی سے بری ہو گئے۔ اسی کو بنیاد بنا کر امت مسلمہ میں پھوٹ ڈال دی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ تاثر دیا کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ میں ان کا ہاتھ ہے، خصوصا وہ صحابہ کرام، جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ یزید کو قاتل حسین رضی اللہ عنہ قرار دے کر مسلمانوں کی حمایت اور مدارت حاصل کر لی۔ اس کی بنیاد جھوٹ پر تھی۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ہرگز ہرگز خروج نہیں کیا، بلکہ آپ کی شہادت مظلومانہ شہادت ہے۔ یہ روافض کی گھڑی ہوئی روایات کا اثر ہے کہ ہمارے حضرات بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو خروج کے پس منظر میں دیکھنے لگتے ہیں، حالاں کہ کوئی صحیح یا حسن سند اس پر دلالت نہیں کرتی کہ آپ کا کربلا میں کسی سے کوئی معرکہ ہوا ہو، جنگ ہوئی ہو، تیر چلے ہوں، پانی بند ہوا ہو، خواتین کی بے حرمتی ہوئی ہو، بچوں کو نوکِ نیزہ پر چڑھایا گیا ہو، یا آپ نے کوئی فوجیں تیار کی ہوں۔ اسلام کی ثقہ تاریخ میں ایسی باتوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا، حتی کہ دور صحابہ میں بھی ایسی کسی بات کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ سب جھوٹ ہے، جو روافض نے اسلامی تاریخ میں داخل کرنے کی سازش کی ہے۔

صرف اتنا ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بے خبری میں شہید کر دیا گیا۔ آپ کی شہادت باسعادت کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں دے دی تھی۔ ہر مسلمان آپ کی شہادت پر دکھی ہے۔ ہمیں آپ کی شہادت پر وہی انداز اختیار کرنا چاہیے، جو اس وقت صحابہ، اہل بیت رسول اور دیگر مسلمانوں نے اختیار کیا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ جس نے جگر گوشہ رسول کو شہید کیا یا آپ کی شہادت میں معاونت کی یا

آپ کی شہادت پر راضی ہوا، اس پر اللہ، فرشتوں اور ساری کائنات کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے نوافل اور فرائض قبول نہ کرے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی بنیاد پر اہل اسلام سے الگ فرقہ بنالینا اور کئی ایک ضروریات دین کا انکار کردینا درست نہیں۔ جو کچھ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر کیا جاتا ہے، یہ اسلام کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش اور مجرمانہ سازش ہے۔

سوال: ماتم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ماتم جاہلی رسم ہے۔ باتفاق علما بدعت اور حرام ہے۔ اسلام کے اصولوں سے غم کم ہوتا ہے یا ختم ہوجاتا ہے۔ غیر اسلامی طریقے غم میں اضافہ کرتے ہیں۔

کتنے انبیا علیہم السلام مظلومانہ شہادت سے دوچار ہوئے، بلکہ اسلام کی تاریخ شہادتوں سے لبریز ہے، تو کیا ہر ایک پر ماتم روا سمجھا جائے گا؟ پھر تو کوئی دن ماتم سے خالی نہ ہوگا!

بعض لوگ حسینی ماتم کرتے ہیں، جبکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے والد گرامی سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بڑی شہادت ہے، ان پر ماتم کیوں نہیں؟ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی شہید ہیں۔ ان کا ماتم کوئی نہیں کرتا۔ بے شک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت برحق ہے، انسانی تاریخ کا اندوہ ناک واقعہ ہے، ہر مسلمان کو اس سے دکھ پہنچا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم آپ رضی اللہ عنہ کا ماتم کریں۔ اہل بیت میں سے کسی نے کسی کی شہادت پر ماتم نہیں کیا۔

بعض لوگ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ ماتم قرآن سے ثابت ہے، ان سے سوال ہے، کیا علمائے اہل بیت اور علمائے امت نے قرآن کریم نہیں پڑھا؟ ہمارے مطابق نہ صرف پڑھا، بلکہ فہم بھی حاصل کیا، اس پر عمل کیا، اس کی تبلیغ کی۔ ان میں سے کسی کا یہ دعویٰ نہیں کہ

ماتم جائز ہے، چہ جائیکہ وہ قرآن سے اس کا ثبوت فراہم کرتے۔ اسلاف امت کے خلاف کوئی بھی مؤقف غیر مسموع ہے۔ اس پر سہاگہ یہ کہ علمائے امت نے ماتم کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کے اتفاق واجماع پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ وہ کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ہر ایک اہل بیت کے حقوق کا پاسدار تھا، ان سے عقیدت ومحبت رکھتا تھا، ان کا ادب واحترام واجب سمجھتا تھا۔

علامہ ابوبکر طرطوشی رحمہ اللہ (۵۲۰ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الْمَآتِمُ؛ فَمَمْنُوعَةٌ بِإِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ .

''ماتم کے ممنوع ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔''

(الحوادث والبدع، ص 175)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا اتِّخَاذُ أَمْثَالِ أَيَّامِ الْمَصَائِبِ مَآتِمَ فَهٰذَا لَيْسَ فِي دِينِ الْمُسْلِمِينَ، بَلْ هُوَ إِلٰى دِينِ الْجَاهِلِيَّةِ أَقْرَبُ .

''مصیبت کے ایام کو ماتم کے دن بنالینا، مسلمانوں کا دین نہیں، بلکہ یہ جاہلیت کے زیادہ قریب ہے۔'' (اقتضاء الصّراط المستقيم : 131/2)

نیز فرماتے ہیں:

مِنْ حَمَاقَتِهِمْ إِقَامَةُ الْمَأْتَمِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلٰى مَنْ قَدْ قُتِلَ مِنْ سِنِينَ عَدِيدَةٍ، وَمِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّ الْمَقْتُولَ، وَغَيْرَهُ مِنَ الْمَوْتٰى إِذَا فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ بِهِمْ عَقِبَ مَوْتِهِمْ كَانَ ذٰلِكَ مِمَّا حَرَّمَهُ

اللّٰہُ، وَرَسُولُہٗ.

''ان کی ایک حماقت تو ماتم قائم کرنا ہے، اور ان لوگوں پر نوحہ کرنا، جو کئی برس پہلے وفات پا چکے تھے۔ یہ بات تو معلوم ہے کہ مقتول ہو یا کوئی دوسری میت ہو، ان کی موت کے بعد اس طرح کے کام، اللہ و رسول نے حرام قرار دیئے ہیں۔''(مِنهاج السّنة :52/1)

نیز فرماتے ہیں:

أَمَّا اتِّخَاذُ الْمَآتِمِ فِي الْمَصَائِبِ وَاتِّخَاذُ أَوْقَاتِهَا مَآتِمَ، فَلَيْسَ مِنْ دِينِ الْإِسْلَامِ، وَهُوَ أَمْرٌ لَّمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا أَحَدٌ مِّنَ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ، وَلَا مِنَ التَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ، وَلَا مِنْ قَادَّةِ أَهْلِ الْبَيْتِ، وَلَا غَيْرِهِمْ، وَقَدْ شَهِدَ مَقْتَلَ عَلِيٍّ أَهْلُ بَيْتِهٖ، وَشَهِدَ مَقْتَلَ الْحُسَيْنِ مَنْ شَهِدَہٗ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ، وَقَدْ مَرَّتْ عَلٰى ذٰلِكَ سِنُونَ كَثِيرَةٌ، وَهُمْ مُتَمَسِّكُونَ بِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يُحَدِّثُونَ مَأْتَمًا، وَلَا نِيَاحَةً، بَلْ يَصْبِرُونَ وَيَسْتَرْجِعُونَ كَمَا أَمَرَ اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ، أَوْ يَفْعَلُونَ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ مِنَ الْحَزَنِ وَالْبُكَاءِ عِنْدَ قُرْبِ الْمُصِيبَةِ.

''مصیبت کے اوقات کو ماتم کے دن بنا لینا، اسلام نہیں ہے۔ یہ ایسا کام ہے، جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، نہ سابقون الاولون میں سے کسی نے کیا، نہ

تابعین نے اور نہ اہل بیت نے، نہ کسی اور نے۔ حالاں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کے اہل بیت موجود تھے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت بھی ان کے اہل بیت موجود تھے، اس پر کئی برس گزر گئے، مگر ان کے اہل بیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو تھامے رکھا، انہوں نے ماتم ایجاد نہیں کیا، نہ نوحہ ایجاد کیا۔ بلکہ وہ صبر کرتے تھے، اور اللہ و رسول کے حکم کے مطابق انا للہ وانا الیہ راجعون کا ورد کیا کرتے تھے۔ یا روتے بھی تو مصیبت کے ابتدائی لمحات میں، غمگین بھی ہوتے، لیکن جائز طریقے کے ساتھ۔''

(حقوق أهل البيت، ص 46)

نیز فرماتے ہیں:

صَارَتْ طَائِفَةٌ جَاهِلَةٌ ظَالِمَةٌ؛ إِمَّا مُلْحِدَةٌ مُنَافِقَةٌ، وَإِمَّا ضَالَّةٌ غَاوِيَةٌ، تُظْهِرُ مُوَالَاتَهُ، وَمُوَالَاةَ أَهْلِ بَيْتِهِ تَتَّخِذُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ يَوْمَ مَأْتَمٍ .

''ایک جاہل ظالم جماعت ہے، جو یا تو ملحد منافق ہے یا گمراہ بدبخت۔ یہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے محبت کا اظہار کرتے ہیں، انہوں نے یوم عاشوراء کو ''یوم ماتم'' بنالیا ہے۔''

(الفتاوی الکبریٰ :200/1، مجموع الفتاویٰ : 307/25)

علامہ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (۷۹۲ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمِ عَاشُورَاءَ غَيْرُ صَوْمِهِ، وَإِنَّمَا الرَّوَافِضُ لَمَّا ابْتَدَعُوا إِقَامَةَ الْمَأْتَمِ وَإِظْهَارَ

الْحُزْنِ يَوْمَ عَاشُورَاءَ لِكَوْنِ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قُتِلَ فِيهِ .

''عاشوراء کے دن سوائے روزے کے رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں، یہ روافض ہیں، جنہوں نے عاشورا کے دن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم اور اظہار غم کی بدعت ایجاد کی۔''

(التنبيه على مشكلات الهداية : 930/2، فتاویٰ شامي : 418/2)

کبار علمائے عرب کا فتویٰ ہے:

اَلْأَصْلُ فِيهَا أَنَّهَا عَادَةٌ فِرْعُونِيَّةٌ كَانَتْ لَدَى الْفَرَاعَنَةِ قَبْلَ الْإِسْلَامِ ثُمَّ انْتَشَرَتْ عَنْهُمْ وَسَرَتْ فِي غَيْرِهِمْ وَهِيَ بِدْعَةٌ مُنْكَرَةٌ لَّا أَصْلَ لَهَ فِي الْإِسْلَامِ يَرُدُّهَا مَا ثَبَتَ مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ .

''اصلا یہ فرعونوں کی عادت رہی ہے، اسلام سے قبل فرعونوں کے یہاں ایسے کام ہوا کرتے تھے، پھر ان سے آگے غیروں تک پھیل گئی۔ یہ منکر بدعت ہے، اس کی اسلام میں کوئی اصل موجود نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اس کا رد کرتا ہے، جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نیا کام کیا، تو وہ مردود و باطل ہے۔'' (فتاویٰ إسلامية : 312/1)

دنیا میں سب سے پہلا ماتم حسین تین سو باون (۳۵۲ھ) بغداد میں ہوا، اس سے پہلے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم نہیں کیا گیا۔ یہ کیسا دین ہے کہ جس سے چار سو سال تک مسلمان ناواقف رہے۔

اہل سنت جب ماتم پر رد کرتے ہیں، تو بعض الناس بطور دلیل یہ روایت پیش کرتے ہیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي وَفِي دَوْلَتِي، لَمْ أَظْلِمْ فِيهِ أَحَدًا، فَمِنْ سَفَهِي وَحَدَاثَةِ سِنِّي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ، وَهُوَ فِي حِجْرِي، ثُمَّ وَضَعْتُ رَأْسَهُ عَلٰى وِسَادَةٍ وَّقُمْتُ أَلْتَدِمُ مَعَ النِّسَاءِ وَأَضْرِبُ وَجْهِي.

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے گھر میں میرے سینے پر ہوئی، اس حوالہ سے میں نے کسی (زوجہ محترمہ) کی حق تلفی نہیں کی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم برضا میرے گھر میں تشریف لائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے، تو آپ میری گود میں تھے، میں نے آپ کا سر مبارک سرہانے پر رکھا اور ناسمجھی وکم عمری کے باعث عورتوں کے ساتھ سینہ اور منہ پیٹنے لگی۔''

(مسند الإمام أحمد : 274/6، وسندهٗ حسنٌ)

ان کا یہ اقدام لاعلمی کی بنا پر تھا، جن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں، اسی لیے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسے اپنی ناسمجھی اور کم عمری کا نتیجہ خیال کر رہی ہیں، ویسے بھی صحابہ کرام کا معاملہ دوسروں سے مختلف ہے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے؛

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

(التوبة : ۱۰۰/۹، المجادلة : ۲۲/۵۸، البينة : ۸/۹۸)

''اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(آل عمران : ۱۵۲/۳)

''اللہ نے آپ سے درگزر کیا ہے، اللہ مؤمنوں پر فضل کرنے والا ہے۔''

یاد رہے کہ ائمہ اہل سنت قرآن واحادیث کے دلائل سے بخوبی واقف تھے، ان کے معانی ومفاہیم کو سب سے بہتر جانتے تھے۔ وہ تمام آیات واحادیث جو بعض حضرات ماتم کے جواز پر پیش کرتے ہیں، ائمہ متقدمین کو ان کا بخوبی علم تھا، لیکن اس کے باوجود ماتم کو حرام کہتے ہیں۔ اگر ان آیات واحادیث سے ماتم کا جواز ثابت ہوتا، تو اسلاف امت ضرور ثابت کرتے۔ ان کا ثابت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن وحدیث سے ماتم ثابت نہیں۔ اس کے باوجود اگر آج کوئی کتاب وسنت سے ماتم کا جواز ثابت کرے، تو وہ تاویل یا تحریف ہے، حق نہیں۔ نیز وہ زبان حال سے یہ باور کروا رہا ہے کہ اسلاف امت ایسے عقیدہ وعمل سے ناواقف رہ گئے، جس پر یہ بعد والا مطلع ہو گیا۔ جو کہ واضح الحاد ہے۔

ائمہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی واتفاقی عقیدہ وعمل کے خلاف کوئی دلیل نہیں سنی جائے گی، کیونکہ حق وہی ہے، جسے ائمہ اہل سنت نے اختیار کیا۔ ان کا ہر عقیدہ وعمل کتاب وسنت کے دلائل پر قائم ہے۔

سوال: ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكَاةٍ﴾ میں نور سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ کا نور دو طرح سے ہے:

① اللہ کی صفت ② اللہ کی مخلوق

جو نور اللہ کی صفت ہے، اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کیوں کہ اللہ کی کوئی مثال ہے ہی نہیں، لہٰذا یہاں وہ نور مراد لینا غلط ہے۔

اللہ کی مخلوق وہ نور ہے، جو اللہ اپنے مؤمن بندے کے دل میں اپنی معرفت ومحبت اور ایمان وذکر کے سبب ودیعت فرما دیتے ہیں۔ یہاں اسی مخلوق نور کی مثل بیان کی جا رہی ہے، اس کی تشبیہ چراغ سے دی گئی ہے، وجہ شبہ روشنی ہے، ایمان کی ہو یا چراغ کی ہو۔

لہٰذا ان دونوں میں روشنی موجود ہے اور مثل بھی اسی روشنی کی ہے۔ گوکہ ایک میں روشنی زیادہ دوسرے میں کم ہے، ایک کے اوصاف میں اور دوسرے کے اوصاف میں فرق ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اللہ نے جو نور مومنوں کے دلوں میں پیدا کر دیا ہے، وہ نور ایمانی ہے اور نور ایمانی چراغ کی نسبت اقویٰ ہوتا ہے۔ تشبیہ میں قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ کی نسبت اقویٰ ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی کبھی مشبہ بہ، مشبہ کی نسبت مشہور ہوتا ہے، اس وجہ سے جو مشہور ہو، اسے مشبہ بہ بنا دیا جاتا ہے، اگرچہ وہ اس کی نسبت قوی نہ بھی ہو، کیونکہ سارے لوگ اس کو جانتے ہیں۔

سوال: کیا قرآن کریم کا کچھ حصہ بکری نے کھا لیا تھا؟

جواب: اس بارے میں ایک روایت آتی ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

لَقَدْ أُنْزِلَتْ آيَةُ الرَّجْمِ وَرَضَعَاتُ الْكَبِيرِ عَشْرًا، فَكَانَتْ فِي وَرَقَةٍ تَحْتَ سَرِيرٍ فِي بَيْتِي، فَلَمَّا اشْتَكٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشَاغَلْنَا بِأَمْرِهٖ، وَدَخَلَتْ دُوَيْبَةٌ لَّنَا فَأَكَلَتْهَا .

''آیت رجم اور آیت رضعات کبیر دس بار پینے سے ثابت ہوتی ہے، نازل ہوئی تھیں۔ یہ آیات میری چار پائی کے نیچے رکھی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار نے آ لیا، ہم آپ کی طرف مشغول ہو گئے، تب ایک بکری آئی اور ان دو

آیات کو کھا گئی۔

(مسند أحمد : 269/6، وسندهٗ حسنٌ)

بعض لوگ اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ قرآن کو بکری کھا گئی، لہٰذا قرآن محفوظ کیسے؟

تو جواباً عرض ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن دو آیات کا ذکر کیا ہے، ان کی تو تلاوت ہی منسوخ ہو چکی تھی، جیسا کہ صحیح مسلم (۱۴۵۲) دس بار رضاعت اور صحیح بخاری (۶۸۳۰) میں آیت رجم کی منسوخیت کا ذکر ہے۔ یہ دو آیات ہی بکری نے کھائی ہیں۔

لہٰذا جن آیات کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے، بکری نہ بھی کھاتی، تو بھی قرآن میں ان کا ذکر نہیں ہونا تھا۔ تو اس کی بنیاد پر قرآن کو ناقص قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

۲ یہ آیات منسوخ نہ ہوتیں تب بھی بکری کے ایک آیت کھانے سے ایسا کچھ لازم نہیں آتا کہ نعوذ باللہ قرآن میں کمی آ گئی، کیوں کہ وہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے سینوں میں تو موجود تھا۔

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ﴾ (العنكبوت : ٤٩)

اللہ نے قرآن کی حفاظت کا ذریعہ اہل علم کے سینوں کو قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن محفوظ ہے، بعض حضرات کا اسے غیر محفوظ باور کروانا سطحی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ) (الحجر : ٩)

''ہم نے اس ذکر کو نازل کیا، ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

نوٹ:

ہماری بحث ان آیات سے ہے، جنہیں بکری نے کھایا، وہ دس تھیں، پانچ رضعات والی آیت کی تلاوت بھی منسوخ ہے اور حکم باقی ہے، لیکن یہاں اس پر بحث نہیں، کیوں کہ اس کا تعلق نہ تو مذکورہ شبہ سے ہے، نہ ہی بکری کے کھانے سے۔ فافہم!

شیخ الطائفہ، طوسی شیعہ (۴۶۰ھ) نے اس روایت پر ردوقدح کیے بغیر لکھا ہے:

إِنَّ هٰذَا مِنْ بَابِ نَسْخِ التِّلَاوَةِ وَالْحُكْمِ مَعًا .

''اس (حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا) کا تعلق تلاوت اور حکم دونوں کے منسوخ ہونے کے ساتھ ہے۔''

(التِبیان: 13/1)

(سوال): مندرجہ ذیل روایت کا مفہوم کیا ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهٗ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهٗ، كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهٖ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي، لَأُعْطِيَنَّهٗ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهٗ .

''(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:) میرا قرب حاصل کرنے کے لئے میرا بندہ نوافل کا اس قدر اہتمام کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اس کی

آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ مجھ سے مانگے، تو اسے عطا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ طلب کرے، تو اُسے پناہ دیتا ہوں۔''

(صحيح البخاري : 6502)

(جواب): سلف نے اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا ہے، یعنی بغیر کسی تاویل کے جوں کی توں قبول کی ہے۔ البتہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کا اصل معنی ہے کیا؟

دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا یہ مراد لیا جائے کہ (معاذ اللہ) خود اللہ تعالیٰ ولی کے کان، آنکھیں، ہاتھ اور ٹانگیں بن جاتا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ ولی اور ولی اللہ بن جاتا ہے یا یہ مراد لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ولی کے کان، آنکھ، ہاتھ اور اس کی ٹانگ کو اس انداز میں درست کر دیتا ہے کہ اُس کا ادراک اور عمل اللہ ربّ العزت کی نصرت و تائید کے ساتھ اُس کی خوشنودی کا باعث بن جاتا ہے۔

بلاشبہ پہلا معنی دُرست نہیں، اس حدیث کا حقیقی معنی یہ ہے، نہ سیاقِ کلام اس کا متقاضی ہے۔ اہل علم اس سے خوب واقف ہیں۔ یہ حدیث خود دو طرح سے اس معنی کا ردّ کرتی ہے۔ اوّل یہ کہ اللہ کا فرمان ہے: میرا قرب حاصل کرنے کے لئے میرا بندہ نوافل کا اس قدر اہتمام کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھ سے مانگے، تو اسے عطا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ طلب کرے، تو اُسے پناہ دیتا ہوں۔

غور فرمائیں کہ اس حدیث میں میرے بندے کے الفاظ ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے بندے کو عابد اور خود کو معبود ثابت کیا ہے۔ قرب حاصل کرنے کی کیفیت ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک قرب چاہنے والا ہے اور دوسرا وہ ہے، جس سے قرب چاہا گیا۔ بندے کے

سوال اور اپنی عطا کا تذکرہ فرما کر بیان کیا ہے کہ ولی سوالی اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔ پناہ کے سوال اور اجابت کے تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ ولی پناہ کا طلب گار اور اللہ تعالیٰ پناہ دینے والا ہے۔ حدیث کا سیاق بتاتا ہے کہ ولی اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر اعتبار سے جدا جدا ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ ایک دوسرے کی کوئی صفت یا جزو بن جائے۔ لہٰذا ہرگز اس حدیث سے یہ مراد نہیں کہ (معاذ اللہ) خود اللہ تعالیٰ اپنے ولی کا کان، ہاتھ وغیرہ بن جاتا ہے یا اس میں داخل ہو جاتا ہے یا ولی ہی اللہ بن جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ولی کے کان، آنکھ اور ٹانگ ساری چیزیں اوصاف یا اجزا ہیں۔ اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ مخلوق کا وجود حادث ہے، یعنی ایک وقت ان کا وجود نہیں تھا اور ایک وقت آنے پر وہ دوبارہ فنا ہو جائیں گی۔ ممکن نہیں کہ کسی عقل مند کا ذہن یہ بات قبول کر سکے کہ وہ خالق، جو ازل سے ہے اور جس سے پہلے کچھ نہ تھا، وہ کسی فانی مخلوق کا کان، آنکھ، ہاتھ اور ٹانگ بن جائے۔ نیز مخلوق کے اعضا فانی ہیں۔ اُن میں تغیر و تبدل آتا رہتا ہے، ان میں نشو و نما، بڑھوتری، شکست و ریخت اور نقصان کی کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں۔ اگر حدیث کا معنی یہ سمجھا جائے کہ (معاذ اللہ) خود اللہ تعالیٰ اپنے ولی کا کان، ہاتھ، آنکھ اور ٹانگ بن جاتا ہے تو ذاتِ باری تعالیٰ کو تغیر و تبدل کا محل ماننا لازم آئے گا جو کہ صریح کفر ہے۔ اولیاء اللہ کو موت آتی ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ کے لیے موت ممکن ہے؟

کائنات کے سب سے بڑے ولی رسول اللہ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ صحابہ کرام جن کی ولایت میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں، اُن کے اعضا مثلاً ہاتھ، بازو، ٹانگیں اور کان وغیرہ میدان کارزار میں کٹتے ہیں۔ کوئی صاحب ایمان یہ کہہ سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کٹ گیا، زخمی ہو گیا یا اسے کوئی بیماری لاحق ہو گئی؟ تو پھر یہ معنی کیوں کر

درست ہوا؟ اور اس معنی کو حدیث کا حقیقی اور ظاہری معنی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ ایسا قطعاً ممکن نہیں بلکہ یہ ایسی بات ہے، جس کے تصور سے بھی نفوس سلیمہ نفرت کرتے ہیں، زبان اس بات کو فرضی طور پر بولنے سے بھی قاصر ہے۔

یہ معنی غلط ہے،تو دوسرا معنی خود بخود دُرست ثابت ہوگا کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کے اعمال اس طرح دُرست فرما دیتا ہے کہ ولی کے سب کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خاص ہو جاتے ہیں اور مولی کریم کی مدد ونصرت شامل حال ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کو شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے ولی کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے تو ولی پیکر اخلاص بن جاتا ہے۔ اس کے ہر عمل میں رضائے الٰہی کی طلب جھلکتی ہے۔

سلف کی تفسیر وتشریح یہی ہے اور یہی قول حدیث کے ظاہری وحقیقی معنی کے موافق ہے، سیاقِ کلام سے یہی معنی متعین ہوتا ہے۔اس میں کوئی تاویل ہے، نہ تحریف۔

سوال: حائضہ کو قرآن پڑھ کر دم کرنا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے، حائضہ کے لیے قرآن پڑھنا جائز نہیں، اس پر قرآن پڑھ کر دم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

سوال: کیا حائضہ دعا میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے لیے آیات پڑھ سکتی ہے؟

جواب: حائضہ قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرسکتی، اسے چاہیے کہ قرآن کے علاوہ الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے۔